یکم مئی ۱۹۷۲ء

رجسٹرڈ نمبر L.922
فون نمبر ـــــ 29

ایڈیٹر
آل احمد سرور

قیمت سالانہ پانچ روپے
قیمت فی کاپی بیس پیسے

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

ہفتہ وار ہماری زبان

جلد ۳۱ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۷

اداریہ

رسالہ سائنس کا دوبارہ اجراء

اردو دوستوں کو عرصے سے یہ خلش تھی کہ اس وقت اردو میں ہندوستان سے سائنس اور سائنسی موضوعات پر کوئی اچھا رسالہ شایع نہیں ہوتا۔ بہت دن ہوئے انجمن ترقی اردو ہند نے حیدرآباد سے سائنس شایع کرنا شروع کیا تھا مگر یہ مفید اقدام زیادہ عرصے تک نہ چل سکا اور اردو دوستوں کی عام بے توجہی کی نذر ہوگیا۔ ہم عرصے سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ سائنس کا دوبارہ اجرا ہونا چاہیے۔ اس غرض سے کئی سال ہوئے ہم نے انڈین کونسل آف سائنٹفک ریسرچ کے ڈائرکٹر سے تبادلۂ خیال کرکے ایک اسکیم بھی بنائی تھی جس کے مطابق کونسل اور انجمن کی طرف سے سائنسی موضوعات پر عام فہم معیار کے مضامین شایع کرنے کا ایک پروگرام طے ہوا تھا مگر کونسل نے ڈاکٹر حسین ظہیر کے جانے کے بعد اس مسئلے میں دلچسپی نہ لی اور انجمن اپنے محدود وسائل کی بنا پر اکیلے یہ قدم نہ اٹھا سکتی تھی۔ جب جنوری ۱۹۷۱ء میں انجمن کے کاموں کا جائزہ لینے کے لئے وزارت تعلیم کی ایک ریویو کمیٹی پروفیسر مجیب کی صدارت میں علی گڑھ آئی تو ہم نے اپنی اس دیرینہ خواہش کا کمیٹی کے سامنے اظہار کیا اور پروفیسر مجیب نے سفارش کی کہ وزارت تعلیم سائنس پر ایک رسالہ نکالنے کے لئے انجمن کو مزید امداد دے۔ وزارت تعلیم نے یہ سفارش منظور کرلی ہے اور انجمن کی ادبی کمیٹی بہت جلد اس سلسلے میں ضروری اقدامات کرے گی ہمیں توقع ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۲ء سے یہ رسالہ شایع ہوسکے گا۔

اردو میں سائنس پر ایک رسالہ شایع کرنا کئی وجوہ سے بہت ضروری ہے۔ مشرقی زبانیں جن میں اردو بھی شامل ہے عام طور پر جذبے کی زبانیں زیادہ ہیں فکر کی زبانیں کم۔ مشرقی زبانوں میں شعر و ادب کا جو شاندار سرمایہ ہے اس کے مقابلے میں سائنس کا سرمایہ بہت کم ہے، ان زبانوں کے بولنے والوں کا سائنسی علوم میں کارنامہ بھی زیادہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ شعر و ادب کے شاندار سرمائے پر ہمیں بجا طور پر فخر ہونا چاہیے مگر سائنسی سرمائے میں اضافے پر بھی ہمیں پوری توجہ کرنی چاہیے۔ یہ اضافہ کتابوں، رسالوں، کتابچوں کے ذریعہ سے بھی ہوسکتا ہے اور اخباروں اور فلموں کے ذریعہ سے بھی۔ اس وقت ہندوستان کی ہر قومی زبان میں جدید علوم پر کتابیں لکھوائی جا رہی ہیں اور کوشش ہو رہی ہے کہ ہر زبان جدید ترین معیاروں کے مطابق اعلیٰ تعلیم کا وسیلہ بن سکے۔ ترقی اردو بورڈ نے اردو میں تصنیف و تالیف کا ایک اہم باشان پروگرام بنایا ہے۔ ریاستی حکومتیں اپنی اپنی سرکاری زبان میں تصنیف و تالیف کے لئے بہت کچھ کر رہی ہیں۔ ان حالات میں اردو میں سائنسی موضوعات پر ایک اچھے رسالے کی ضرورت اور بھی واضح ہو جاتی ہے سائنسی موضوعات کے متعلق معلومات عام کرنا، جدید ترین ایجادات و انکشافات سے اردو دوستوں کو باخبر رکھنا، سائنسی مزاج پیدا کرنا، معروضیت اور تجرباتی طریقۂ کار کی اہمیت واضح کرنا، عقلیت کی طرف مائل کرنا، جذباتیت کو کم کرنا، موجودہ صنعتی دور کے مسائل یعنی دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی، غذا اور شہر فضا کی گندگی، موجودہ قدرتی وسائل کا اندھا دھند استعمال کے متعلق صحیح معلومات عام کرنا، اس رسالے کا بنیادی مقصد

ہوگا۔ اس رسالے سے نہ صرف عام پڑھنے والوں کو فائدہ ہوگا بلکہ سائنسی موضوعات پر تصنیف و تالیف میں بھی مدد ملے گی۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ اس کام میں آن تمام ممتاز سائنس دانوں کا تعاون حاصل کرلیا جائے جو اپنے اپنے دائرے میں اہم اور مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ رسالے کے لئے مضامین اردو میں لکھوائے جائیں گے لیکن انگریزی میں اگر اچھے مضامین موصول ہوں گے تو ان کا ترجمہ بھی شائع ہوسکے گا۔

ہمیں قوی امید ہے کہ انجمن کے اس اقدام کو علمی حلقوں میں سراہا جائے گا اور ایک طرف ہم سائنس دانوں کا تعاون حاصل کرسکیں گے اور دوسری طرف ہمیں رسالے کے لئے خریدار بھی اتنی تعداد میں مل سکیں گے کہ ہم پرچے کو زیادہ سے زیادہ جامع اور مفید بنا سکیں۔ اقبال کے اس شعر پر ہمیں عمل کرنا ہے ؎

عشق اب پیروی عقل خداداد کرے
آبرو کوچۂ جاناں میں نہ برباد کرے

نورالرحمٰن صاحب کا انتقال

ہندوستان اور پاکستان سے آج کل ہر رشتہ منقطع ہے اس لئے وہاں کوئی بات ہوتی ہے تو اس کی خبر کسی اور وسیلے سے خاصی دیر سے یہاں پہنچتی ہے۔ چند روز ہوئے ہمیں یہ اطلاع ملی کہ کراچی میں نورالرحمٰن صاحب کا انتقال ہوگیا۔ نورالرحمٰن صاحب علی گڑھ کے اولڈ بوائے اور انتخاب میر کے مؤلف اور حیات سرسید کے مصنف تھے۔ آزادی کے بعد کچھ مدت تک انجمن ترقی اردو ہند میں جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ اس کے بعد ایک عرصے تک وہ علی گڑھ میں ہی مقیم رہے اور لکھنے پڑھنے میں لگے رہے۔ چند سال ہوئے کراچی چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ نورالرحمٰن صاحب چکریاپوں کے ایک ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، نہایت صاف ستھرا اور پختہ ادبی ذوق رکھتے تھے، ہماری تہذیب کی وضعداری اور حسن اخلاق کے بہت اچھے نمائندے تھے۔ خدا ان کو اپنی رحمت بے پایاں سے سرفراز کرے۔ ادارہ ہماری زبان ان کے صاحبزادے اسدالرحمٰن سے جو اس وقت امریکہ میں مقیم ہیں اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

مشہور مستشرق جی۔ ای۔ فان گرونے بام کا انتقال

علم دوست حلقوں میں یہ خبر یقیناً ایک شدید غم کے احساس کے ساتھ سنی جائے گی کہ مشہور مستشرق پروفیسر جی۔ ای۔ فان گرونے بام کا انتقال گذشتہ ۲۷ر فروری کو ہوگیا۔ موصوف کافی دنوں سے بیمار تھے۔ بالآخر کینسر کے مرض سے جاں بر نہ ہوسکے۔

پروفیسر گرونے بام ویئنا (آسٹریا) میں ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں سے PHD کرنے کے بعد آپ ۱۹۳۸ء میں امریکا تشریف لے آئے اور مختلف اہم اداروں سے منسلک رہے۔ آپ چودہ برس شکاگو یونی ورسٹی میں معلم رہے۔ ۱۹۵۷ء سے کیلی فورنیا یونی ورسٹی، لاس اینجلس میں NEAR EASTERN CENTRE کے ڈائرکٹر تھے اور آپ کی کوششوں سے یہ ادارہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا کے اہم ترین اداروں میں شمار کیا جانے لگا۔

موصوف کو اسلامیات کے ادبی اور ثقافتی پہلوؤں سے خاص دلچسپی تھی چنانچہ عربی اور فارسی ادب اور کلچر پر متعدد مضامین اور کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے بعض کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں کے علاوہ عربی اور بنگالی میں بھی ہوا ہے۔ چند اہم کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

1- MEDIEVAL ISLAM CHICAGO, 1946.
2- ISLAM: ESSAYS IN THE NATURE AND GROWTH OF A CULTURAL TRADITION.
3- MODERN ISLAM: THE SEARCH FOR CULTURAL IDENTITY. LOS ANGELES 1962.
4- CLASSICAL ISLAM. LONDON, 1970

آپ نے پروفیسر عزیز احمد کی شرکت سے ایک کتاب مرتب کی تھی جس میں برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی پچھلی ایک صدی کی تاریخ سے متعلق اہم دستاویزات کے تراجم شامل ہیں۔ اس کا نام ہے MUSLIM SELF-STATEMENT IN INDIA AND PAKISTAN, 1857-1968 (WIESBADEN, 1970).

چودھری محمد نعیم

اردو شاعر مولانا علیم اختر مظفر نگری کا انتقال

دلی ۔ ادبی اور شعری حلقوں میں یہ خبر گہرے دکھ کے ساتھ سنی جائے گی کہ دلی میں اردو کے مشہور شاعر مولانا علیم اختر مظفر نگری کا حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب ۲۱ر اپریل کو انتقال ہوگیا۔

وہ صبح حسب معمول دفتر ماہنامہ شمع میں پہنچے جہاں وہ کام کرتے تھے اچانک بیٹھے بیٹھے انھیں دل کا دورہ پڑا۔ انھیں نرسنگ ہوم پہنچایا گیا جہاں ۱۲ بجے دوپہر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم صاحب دیوان تھے ان کے مجموعہ کلام نکہت گل پر حکومت یوپی نے گزشتہ برس انعام دیا تھا۔ مرحوم کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ چار لڑکے اور تین لڑکیاں شامل ہیں۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ادارہ

اکبر علی خاں عرشی زادہ

طاہر ایڈیشن کے غیر متداول کلام کا ماخذ؟

جناب رمیش چندر کالرا عابد پشاوری کا ایک مضمون بعنوان "دیوانِ غالب — طاہر ایڈیشن" ماہنامہ آج کل بابت مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں کالرا صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اُن کی رائے میں طاہر ایڈیشن کے اندر غالب کا غیر متداول کلام مرتب ایڈیشن آغا محمد طاہر نے اِدھر اُدھر سے اکٹھا کر کے شاملِ دیوان کر لیا ہے اور اس مخطوطے میں نہیں تھا جسے حسین مرزا نے نقل کر کے تیار کیا تھا اور جس سے آغا محمد طاہر نے اپنے ایڈیشن کی تصحیح کا کام لیا ہے۔

مگر کالرا صاحب کے برخلاف میرا خیال ہے کہ عجب نہیں کُل کا کُل ورنہ بیشتر غیر متداول کلام جو طاہر ایڈیشن میں شریک ہے حسین مرزا کے مخطوطے کے حواشی اور اس کے آخر میں شامل زائد اوراق میں موجود تھا۔ اس خیال کی بنیاد یہ ہے کہ اواخر ۱۹۶۸ء میں نسخۂ عرشی نقشِ ثانی کا حصّۂ سوم یادگارِ نالہ زیرِ طبع تھا۔ نقشِ ثانی کے تمام اجزا کے پروف کم از کم ایک بار میں نے بھی دیکھے ہیں، اور حصّۂ سوم یادگارِ نالہ اور اس کے بعد کے حصوں کے پروف تو خصوصیت سے میرے دیکھے ہوئے ہیں اس لئے کہ مولانا عرشی اس زمانے میں صاحبِ فراش تھے اور علالت کے باعث ڈاکٹروں کی اجازت نہ تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے کا کام کریں (اگرچہ رام پور سے میری کسی اتفاقیہ غیر حاضری کے باعث مجبوراً مولانا عرشی کو بھی کبھی کبھی پروف پڑھنا پڑے) پروف کی تصحیح کا کام کرتے ہوئے اکثر مجھے اُن اصل رسالوں اور کتابوں کی طرف بھی رجوع کرنا ہوتا تھا جن کے حوالے اختلافاتِ قرأت اور اقتباسات حواشی میں آ رہے تھے ایسے ہی کسی موقع پر اس غیر متداول قصیدے کو طاہر ایڈیشن میں دیکھنے کی ضرورت پیش آئی جو راجہ شیو دان سنگھ والیٔ الور کی بیسویں سالگرہ کی تہنیت میں غالب نے لکھا تھا اور جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

گئی ہیں سال کے رشتے میں بیس بار گرہ

طاہر ایڈیشن میں اس قصیدے کے دو شعروں کے درمیان لفظ "تمتہ" چھپا دیکھا۔ مگر میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس لفظ کے استعمال کا یہ کیا محل ہے؟ ایک گمان یہ ہوا کہ اس لفظ کے آگے آنے والے اشعار کہیں ایسا تو نہیں غالب نے بعد میں نظم کئے ہوں اور تمتہ لکھ کر اسی کیفیت کا اظہار کر دیا ہو۔ مگر یہ بات کچھ جی کو لگی نہیں۔ چنانچہ شام کو لائبریری سے واپس گھر پہنچ کر میں نے مولانا عرشی سے صورتِ حال عرض کر کے استفسار کیا کہ اس قصیدے میں دو شعروں کے درمیان تمتہ کیوں لکھا گیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ لفظ ایسے مواقع پر بھی لکھا جاتا ہے جب کسی کتاب کے حاشیے پر کوئی تحریر اضافہ کی جا رہی ہو اور زیرِ تحریر صفحہ پر جگہ باقی نہ رہنے کی وجہ سے آئندہ صفحے پر بقیہ حصّہ کلام نقل کرنا پڑے اس صورت میں آئندہ صفحے پر باقی ماندہ کلام اضافہ کرنے سے پہلے اظہارِ تسلسل کے لئے "تمتہ" لکھ دیا جاتا ہے۔ دوسرے دن لائبریری آکر میں نے پھر طاہر ایڈیشن اٹھایا تو مذکورہ قصیدے کے بعد مندرج ایک اور قصیدے میں بھی جو نواب یوسف علی خاں ناظم والیٔ رام پور کے غسلِ صحت کی تہنیت میں لکھا گیا تھا یہی صورت نظر آئی۔ اس قصیدے کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

مرحبا سالِ فرخی آئیں

مزید ثبوت کے لئے میں نے سوچا کہ دیوانِ غالب کے اردو فارسی قلمی نسخوں کو بھی دیکھ لیا جائے۔ اس تلاش کے نتیجے میں بھی دو چار جگہ ایسی مثالیں مل گئیں۔ معلوم ہوا کہ طاہر ایڈیشن کے لئے مخطوطۂ حسین مرزا سے غیر متداول کلام نقل ہوا تو مکھی پر مکھی مار دی گئی اور اس طرح دو قصیدوں میں لفظ تمتہ نقل ہو گیا جو مخطوطے میں بامعنی اور طاہر ایڈیشن میں بے معنی تھا۔

مگر اس غلطی کی وجہ سے ایک اہم نتیجے تک پہنچنے میں ضرور مدد ملی۔ اب میں نے ضروری جانا کہ ان مطالب کا اندراج حواشی نسخۂ عرشی میں کر دیا جائے چنانچہ پروف میں ان امور کی وضاحت میں نے کر دی اور مولانا عرشی کے ملاحظے میں لانے کے بعد اسے طبع کرا دیا۔ نسخۂ عرشی کا مذکورہ حاشیہ یادگارِ نالہ ص ۳۰۸ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"۔۔۔ یہ سب سے پہلے رسالۂ اردو اکتوبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا علاوہ ازیں یہ دیوانِ غالب کے طاہر ایڈیشن ص ۱۰۴ (مطبوعہ ۱۹۳۲ء) میں بھی شامل ہے۔ طاہر ایڈیشن کی بنیاد ایک ایسا مخطوطہ ہے جو حسین مرزا ابن حسام الدین حیدر خاں نے غالب کی حیات میں پنج شنبہ ۶ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۶۰ء کو کتابت کر کے تمام کیا تھا اور غالب کی نظر سے گزر چکا ہے۔ لیکن اس میں کچھ ایسا کلام بھی ہے جو متداول دیوان سے زیادہ ہے۔ اس کے بارے میں آغا طاہر مرتب طاہر ایڈیشن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کلام انھیں مستعملہ مخطوطے میں ملا یا دوسرے ذرائع سے جمع کیا گیا۔ چونکہ یہ کلام اس ایڈیشن کی طباعت سے پہلے مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ سب حسین مرزا کے مخطوطے میں نہ ہو تاہم اس قصیدے کے شعر ؎

متاعِ عیش کا ہے قافلہ چلا جاتا
کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شمر قطار گرہ

اور آئندہ قصیدے کے شعر ؎

بزم گہ میں امیر شاہ نشاں
رزم گہ میں حریفِ شیر کمیں

سے پہلے لفظ "تمتہ" لکھا ہوا ہے یہ لفظ تازہ کلام کے

حاشیے پر اضافے کی صورت میں جگہ ختم ہو جانے کے بعد بقیہ حصۂ کلام دوسرے صفحے کے حاشیے پر درج کرنے سے پہلے لکھ دیا جاتا ہے تاکہ تسلسل معلوم ہو جائے۔ چنانچہ دیوانِ غالب فارسی (رضا لائبریری، لوہارو کلکشن) کے ورق ۴۰، الف کے حاشیے پر مرزا غالب نے اپنا قصیدہ:

تا چہ نیرنگ است این کاندر جہان آوردہ اند

اضافہ کرتے ہوئے اس صفحے پر جگہ تمام ہو جانے کی وجہ قصیدے کا بقیہ حصہ ورق ۴۰، ب پر نقل کیا تو اس سے پہلے لفظ "تتمہ" لکھا۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ظاہر ایڈیشن میں یہ قصیدے کسی رسالے سے نقل نہیں کیے گئے ہیں بلکہ خود حسین مرزا کے نسخے کے حاشیے میں موجود تھے۔"

یادگار رضا کے محولہ صفحات چھپ جانے کے کچھ ہی دن بعد مولانا عرشی کے چند پرانے کاغذات میں ایک اور یادداشت ملی یہ مولوی مہیش پرشاد کے ایک مضمون کا اقتباس تھا جس میں انھوں نے ظاہر ایڈیشن کی بنیاد و اصل مخطوطہ حسین مرزا کا تذکرہ کیا تھا۔ مولوی مہیش پرشاد نے مخطوطہ حسین مرزا کے بارے میں بے حد نامکمل اطلاعات فراہم کی ہیں۔ مولوی مہیش پرشاد کے مضمون کا محولہ اقتباس درج ذیل ہے۔

"یہ نسخہ اب جناب سید احمد مرزا صاحب کے پاس ہے جو کاتب موصوف (حسین مرزا) کے پوتے ہیں جن کا اصلی مکان چھتہ چوبیا محلہ فراش خانہ دہلی میں ہے لیکن میں نے جناب سید صاحب اور ان کے اعزا کی مہربانی سے اس نسخے کو مارچ ۱۹۳۴ء میں ٹیلی گراف اسکوائر نئی دہلی میں دیکھا تھا جہاں کہ سید صاحب اس وقت مقیم تھے۔۔۔۔

اس نسخے کے زائد اوراق میں مرزا کے کہے ہوئے مرثیے کے وہ تمام بند درج ہیں جن کا محض پہلا بند مولانا حالی نے یادگار غالب میں درج کیا ہے۔"

اس قدر تشنہ ہونے کے باوجود بھی ایک اہم بات کا علم ہمیں اس تحریر کے دوسرے پیراگراف سے ہوتا ہے یعنی یہ کہ مخطوطہ حسین مرزا میں کچھ زائد اوراق تھے جن پر غیر متداول کلام بھی تھا۔ مولوی مہیش پرشاد نے اس میں سے مرثیے کا تذکرہ کر دیا۔ چونکہ وہ چشم دید گواہ ہیں اس لئے "تتمہ" لکھے ہونے سے جو نتائج میں نے اخذ کیے تھے ان کی تائید مولوی مہیش پرشاد کی تحریر کی روشنی میں بھی ہوتی ہے۔ یہ اطلاع ایسی تھی کہ اسے مرثیہ کے ذیل میں نسخۂ عرشی کا حاشیہ بننا چاہیے تھا۔ مگر سوئے اتفاق سے یہ صفحات بھی طبع ہو چکے تھے اس لئے میں نے اسی زمانے میں نسخۂ عرشی کا استدراک مرتب کیا تو اس اطلاع کا اندراج بھی کر دیا۔

مذکورہ شواہد اتنے قوی ہیں کہ اب بآسانی باور کیا جا سکتا ہے کہ ظاہر ایڈیشن کا غیر متداول کلام یا تو کل کا کل یا بیشتر مخطوطہ حسین مرزا میں جو ظاہر ایڈیشن کی بنیاد و اصل ہے موجود تھا۔

کالرا صاحب نے اپنے مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"۔۔۔۔۔۔ اس (ظاہر) ایڈیشن کی اصل (مخطوطۂ حسین مرزا) پر جناب مالک رام نے کوئی مضمون زمانہ کانپور بابت سنہ [illegible] میں لکھا تھا جو میری دسترس میں نہیں۔"

کالرا صاحب کو یہ اطلاع غلط ملی ہے جناب مالک رام نے کبھی کوئی مضمون مخطوطہ حسین مرزا پر نہیں لکھا۔ بس جو کچھ ضمنی طور پر ایک مضمون میں مولوی مہیش پرشاد نے لکھا ہے وہی ہے۔ بعد میں میرے ایک مہربان دوست عثمانی صاحب نے میری درخواست پر مولوی مہیش پرشاد کا مکمل مضمون مجھے عنایت کر دیا تھا۔ مگر میں اس وقت علی گڑھ میں اور وہ مضمون رامپور میں ہے البتہ مجھے یاد ہے اس مضمون میں مہیش پرشاد صاحب نے کئی مخطوطوں کی ایسی ہی نامکمل اور تشنہ معلومات شائع کی تھیں جیسی مخطوطہ حسین مرزا کی۔ کالرا صاحب نے مولوی مہیش پرشاد ہی کے مضمون کو جناب مالک رام کا مضمون قرار دے دیا ہے۔

اس ذیل میں کالرا صاحب نے ایک اور غلطی کی ہے انھوں نے مالک رام صاحب کا درج ذیل اقتباس بھی اپنے مضمون میں نقل کیا ہے

"میرا خیال ہے کہ اسے (احمدی ایڈیشن کو) اس قلمی نسخے کی بنا پر شائع کیا جو ناظر حسین مرزا نے دسمبر ۱۸۶۰ء میں مرتب کیا تھا اور جو اب بھی ان کے خاندان میں موجود ہے۔"

اس اقتباس کے لئے کالرا صاحب نے مالک رام صاحب کے مرتبہ دیوان غالب کے مقدمے کا حوالہ دیا ہے لیکن آگے چل کر کالرا صاحب نے اس اقتباس کے بارے میں ایک عجیب بات تحریر فرمائی ہے یعنی۔

"مالک رام صاحب کے محولہ اقتباس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ناظر حسین مرزا کا مکتوبہ یہ نسخہ اب تک ان کے خاندان میں موجود ہے یہ تحریر ۱۹۴۰ء کی ہے"

جہاں تک میرا علم ہے مالک رام صاحب کا مرتبہ دیوان ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کالرا صاحب نے اس دیوان کے مقدمے کے اقتباس کو ۱۹۴۰ء کی تحریر کس بنیاد پر قرار دے دیا۔ بہت ممکن ہے کہ انھوں نے اس عبارت کو اس مضمون کا اقتباس سمجھا ہو جسے وہ مالک رام صاحب سے منسوب فرما کر زمانہ ۱۹۴۰ء کے کسی شمارے میں شامل بتاتے ہیں اور جو در اصل مالک رام صاحب کا نہیں مولوی مہیش پرشاد کا مضمون ہے۔ بالفرض اس مضمون کو مالک رام صاحب کا مان لیا جائے لیکن اس صورت میں بھی ایک ایسے مضمون کے اقتباس کے بارے میں جو کالرا صاحب کی نظر سے گزرا ہی نہیں کالرا صاحب یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ مخطوطے کو حسین مرزا کے خاندان میں بتانے والی مذکورہ بالا تحریر مالک رام صاحب نے ۱۹۴۰ء کے اپنے اسی مضمون سے دیوان غالب کے مقدمے میں نقل کر لی ہے۔

(ڈاکٹر) قمر رئیس (تاشقند)

مکتوب تاشقند

اردو دوستوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میر امن کے قصہ 'باغ و بہار' کے ازبکی ترجمہ کا دوسرا اڈیشن حال ہی میں ایک لاکھ پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوا ہے۔ ازبکی زبان میں ہندوستان کی متعدد زبانوں کی بے شمار کتابیں چھپ چکی ہیں لیکن اب تک کسی بھی کتاب کا اتنا بڑا اڈیشن شائع نہیں ہوا۔ اس کا پہلا اڈیشن چھ سال قبل چالیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا تھا جو بقول مترجم چند ماہ کے اندر فروخت ہو گیا۔ اس کے مترجم اردو کے مشہور اسکالر طاہر ابراہیموف ہیں۔ موصوف نے میری درخواست پر اس کے دوسرے اڈیشن کی تیاری میں مکتبہ جامعہ کے نئے اڈیشن مرتبہ رشید حسن خاں کو سامنے رکھا اور اس کے مطابق سابقہ ترجمہ میں مناسب ترمیم و اصلاح کی۔ نئے اڈیشن کو ایک ممتاز مصور نے سہ رنگی تشریحی تصویروں سے آراستہ کیا ہے۔ مترجم نے مقدمہ میں اس قصہ کی اہمیت، اس کی دلکش محاوراتی زبان اور اس کے ماخذ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حال ہی میں تاشقند کے مقیمی نام کے تھیٹر کے ایک ہدایت کار بختیار نے مجھے بتایا کہ وہ اس قصہ کی بعض کہانیوں کی بنیاد پر اپنے تھیٹر کے لئے ایک ڈرامہ ترتیب دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ ازبکی زبان بولنے والوں کی تعداد نوّے لاکھ سے زیادہ نہیں، اس کے باوجود اس زبان میں کتابوں کے عام اڈیشن ساٹھ ہزار سے کم تعداد میں شائع نہیں ہوتے۔ بعض اردو کتابوں کی مقبولیت حیرت ناک ہے۔ مثلاً گذشتہ سال تاشقند کے کتب خانوں کے محکمۂ اعداد و شمار نے اپنی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا کہ ۱۹۷۰ء میں غیر ملکی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب سردار جعفری کا انتخاب کلام ہے۔

۲۳ مارچ کو تاشقند میں ہندوستانی فنکاروں کا ایک وفد آیا جس میں بیگم اختر کی ممتاز شاگردہ ریتا گنگولی بھی تھیں۔ جو غزل گانے میں مہارت رکھتی تھیں۔ تین روز تک ٹی۔ وی پروگراموں کے علاوہ انھوں نے تاشقند کے مختلف تہذیبی اداروں اور کلبوں میں اپنے پروگرام پیش کئے۔ ہر محفل میں انھوں نے غالب، مومن اور فیض کی غزلیں گائیں جو بے حد مقبول ہوئیں۔ ایک شام میں انھیں اپنے ایک ادیب دوست شکور خالمرزائف کے گھر ایک نجی محفل میں لے گیا۔ جہاں رات کے تین بجے تک وہ تنبورہ پر غزلیں گاتی رہیں۔ اس محفل میں ازبکستان کے مشہور موسیقار یربا توف (جو ازبکستان کے قومی ترانہ کے خالق ہیں) مشہور مغنی باطر زاکروف اور مقبول فلمی ہدایت کار اچتین نفروف بھی موجود تھے۔ سب نے ان کی غزل سرائی کے فن کو سراہا اور جی کھول کر داد دی۔ میزبان کی شریک حیات سعیدہ چونکہ اردو زبان اچھی طرح جانتی ہیں اس لئے تواضع کے ساتھ ساتھ وہ ترجمہ کے فرائض بھی انجام دیتی رہیں۔ ازبک فنکاروں نے اعتراف کیا کہ ازبکستان میں بھی غزل گانے کا فن سب سے نازک اور مشکل فن سمجھا جاتا ہے اور کم مغنیوں کو اس پر قدرت ہوتی ہے۔

تاشقند کا ایک میوزیم علی شیر نوائی کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے ڈائرکٹر پروفیسر حمید سلیمان وسط ایشیا کے ممتاز عالموں میں سے ایک ہیں۔ موصوف عہد وسطیٰ کی ایشیائی تاریخ اور ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اپنے میوزیم میں انھوں نے قدیم فارسی اور ازبکی کتب و رسائل (مخطوطات) کا ایک نادر ذخیرہ جمع کر لیا ہے جس میں حسن دیکانی کی مثنوی "گل و دین"* اور حسن دہلوی کے دیوان کا ایک قدیم نسخہ بھی شامل ہے۔ موصوف کا تازہ ترین کارنامہ برٹش میوزیم میں محفوظ سولھویں صدی کے آخر کے ایک بے مثل ہندوستانی مرقع کی اشاعت ہے۔ کم و بیش ۹۶ MINIATURE تصویروں پر مشتمل یہ مرقع شہنشاہ اکبر کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی ہر تصویر میں 'بابرنامہ' کے کسی بیان کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں وسط ایشیا کے ساتھ ساتھ ہندوستانی سماج، تہذیب اور قدرت کے مناظر بھی حقیقت پسندانہ ڈھنگ سے دکھائے گئے ہیں۔ اس مرقع کو حسن طباعت کے سلسلہ میں لیپزگ (جرمنی) کے ایک مقابلہ میں گرانقدر انعام مل چکا ہے۔ پروفیسر حمید سلیمان نے اپنے طویل مقدمہ میں مصوری کے مغل اسکول (جسے وہ بابری اسکول کا نام دیتے ہیں) کی تاریخ پر عالمانہ ڈھنگ سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن موصوف نے اس مرقع کے مصوروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن مصوروں کے ہندو نام ہیں ان کو انھوں نے ہندوستانی کہا ہے اور جو مسلمان نام رکھتے ہیں ان کو انھوں نے وسط ایشیائی اور ایرانی قرار دیا ہے۔ بغیر کسی علمی تاویل اور دلیل کے اس طرح کی تقسیم مناسب نہ تھی۔ مسلمان بہر حال اس مرقعے کی تیاری سے قبل کئی صدیوں سے ہندوستان میں رہ رہے تھے اور ہندو فنکاروں کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کی خدمت کر رہے تھے ان کو محض نام کی وجہ سے غیر ہندوستانی قرار دینا مناسب نہیں۔

بابر کے سلسلہ میں یاد آیا کہ اورینٹل انسٹی ٹیوٹ کی سربراہ محترمہ صباحت عظیم جانووا نے "ہندوستانی دیوان بابر" کے نام سے پچھلے سال ایک کتاب شائع کی جو دراصل رامپور کے کتب خانہ میں محفوظ دیوان بابر کے اس قدیم نسخہ کی عکسی تصاویر پر مشتمل ہے جس پر خود بابر اور جہانگیر کے دستخط ہیں اور جس کا سال کتابت ۹۳۵ھ (۱۵۲۸ء) ہے۔ اس میں بابر کا کہا ہوا ایک ایسا شعر بھی ہے جسے نصف سے زیادہ اردو کا شعر کہا جاسکتا ہے۔ وہ شعر اس طرح ہے ؎

مجکا نہ ہوا کچھ ہوس مانک و موتی
فقرا اہلیغہ بس بولغوسیدور پانی و روٹی

قدیم چغتائی زبان میں دوسرے مصرعے کے خط کشیدہ الفاظ کا مطلب ہے "فقیروں کے لئے بس کافی ہے" تعجب ہے کہ بابر ہندوستان میں اپنے چند سالہ قیام کے دوران مقامی زبان سے آشنا مانوس ہو گیا تھا۔

پچھلے مراسلے میں میں نے تاشقند کے ممتاز اردو عالموں میں تش مرزا خالمرزا ئف کا ذکر کیا تھا۔ جنھوں نے "آزادی کے بعد ہندوستان میں اردو کی اخباری زبان" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ماسکو یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے۔ حال ہی میں تاشقند یونیورسٹی کی اورنٹل فیکلٹی کے ڈین کی حیثیت سے ان کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ موصوف اردو زبان اور اس کے مسائل پر اکثر مضامین لکھتے رہتے ہیں اور اپنے طلبہ سے بھی اردو زبان لغت اور گرامر سے متعلق کئی اہم موضوعات پر تحقیقی کام کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ سال میں روسی زبان میں ان کے تین مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

(۱) اردو کی نئی سیاسی اور سماجی اصطلاح سازی میں ہندی کا رول۔

(۲) انجمن ترقی اردو (ہند) اور اردو تحریک۔

(۳) خلائی تحقیق کے موضوع پر اردو اصطلاحات۔

تش مرزا صاحب اپنے تحقیقی کام کے سلسلہ میں ۷۰-۱۹۶۹ء میں تقریباً ایک سال ہندوستان میں بھی رہے۔ انھوں نے شمالی اور جنوب کے مختلف علاقوں سے شائع ہونے والے اردو اخبارات کی فائلوں کا وسیع مطالعہ کیا۔ آزادی سے قبل کے اہم اردو اخبارات کی فائلیں بھی دیکھیں۔ اپنے مقالے میں انھوں نے ہندوستان میں اردو کی موجودہ حالت سے متعلق کئی اہم مسائل کا احاطہ کیا ہے ان کا خیال ہے کہ اخبارات بدلتی ہوئی زبان کا آئینہ ہوتے ہیں۔ تاہم انھوں نے اردو اخبارات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) شمالی ہند کے اخبارات۔

(۲) شمالی ہند کے ایسے اخبارات جن کے بیشتر قارئین پنجابی ہیں۔ (۳) غیر ہندوستانی علاقہ کے اخبارات۔ دوسری قسم کے اخبارات کی زبان اور اس کی تبدیلیوں کردہ فطری اور حقیقی نہیں بلکہ ایک مصنوعی عمل کا نتیجہ مانتے ہیں۔ اپنے مقالہ میں انھوں نے اردو کی تعلیم، اردو میں اصطلاح سازی اور اردو کی ثقافتی اہمیت کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے اور ایک معروضی نقطہ نگاہ سے تحلیل و تجزیہ کر کے نتائج اخذ کئے ہیں۔ میں نے ان کے مقالے کے بعض مباحث پر اکثر ان سے تبادلۂ خیال کیا ہے۔ اور ان سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے مقالے کے اہم مباحث کا ایک خلاصہ اردو والوں کے لئے اردو میں تیار کر دیں اگرچہ موصوف کو اندیشہ ہے کہ اردو والے ان کے بعض خیالات سے متفق نہیں ہوں گے۔ بہر حال یہاں میں اپنے الفاظ میں ان کی بعض رائیں پیش کرتا ہوں۔

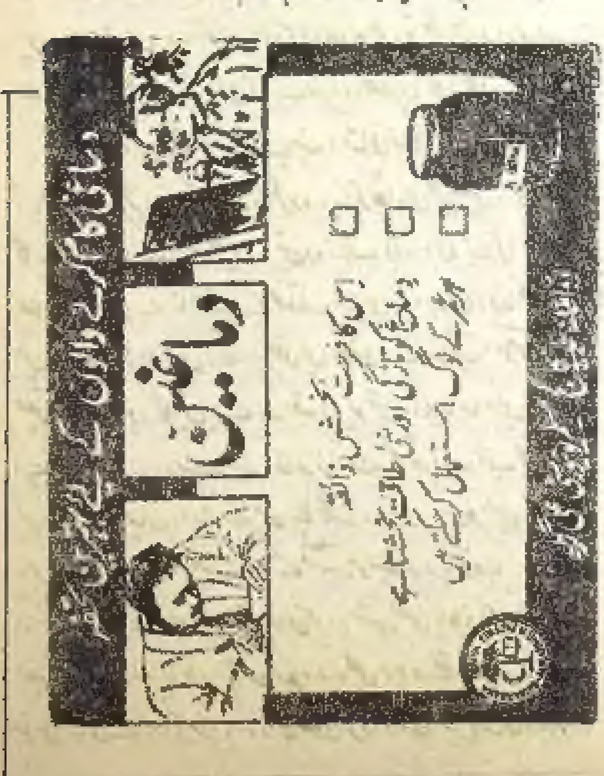
(۱) آزادی سے قبل اردو زبان اپنے وسیع چلن اور اپنے اخبارات کی بنا پر (جو ہر علاقے سے شائع ہوتے تھے) بلاشبہ دوسری زبانوں پر فوقیت رکھتی تھی اور تمام فرقوں کی محبوب اور مشترکہ زبان تھی لیکن اب (انھیں خوف ہے کہ) یہ صرف مسلمانوں کی زبان بنتی جا رہی ہے۔

(۲) ملک کی آبادی اور خواندگی میں توسیع و اضافہ کے باوجود دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اردو اخبارات اور کتابوں کی اشاعت بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے (اعداد و شمار نیشنل لائبریری کلکتہ، اردو ناشروں اور اخبارات کے دفتروں سے لئے گئے۔

(۳) ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق اردو بولنے والوں کی کل تعداد دو کروڑ تیس لاکھ ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ تعداد صحیح ہے تب بھی اردو بولنے والوں کی کل آبادی عراق، یمن، شام اور سعودی عرب جیسے ملکوں کی مجموعی آبادی کے برابر اور وسط ایشیا کی کل آبادی سے کچھ ہی کم ہے۔ اس لئے اردو والوں کو مایوس ہونے یا سپر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) آزادی سے پہلے اور بعد میں انجمن ترقی اردو کی بعض کوششوں سے قطع نظر اردو والوں نے کبھی اپنی زبان کی ترقی، اصلاح اور بقا کے لئے سائنسی اور حقیقت پسندانہ ڈھنگ سے سوچنے اور کام کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت اردو یونیورسٹی سے زیادہ اردو کی بقا کے لئے دوسرے بنیادی مسائل پر زور دینے اور انھیں حل کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) تش مرزا صاحب نے تحقیق کے دوران ایسے کئی ہزار الفاظ جمع کئے ہیں جو اردو اخبارات میں کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں لیکن اردو کی کسی معیاری یا غیر معیاری لغت میں نہیں ملتے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کی وجہ سے غیر ملکی طلبہ کو اردو اخبارات پڑھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔



مراسلات

بکٹ کہانی کے نسخۂ رامپور کی تفصیلات کے متعلق

"بکٹ کہانی کے نسخۂ رامپور کے متعلق" ہماری زبان (۸ اپریل ۱۹۷۲ء) میں ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب کا مراسلہ نظر سے گذرا۔ فاضل محقق کو بکٹ کہانی کے مختلف نسخوں کے تعارف کے سلسلے میں زبردست غلط فہمی (جو عدم معلومات پر مبنی ہے) ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نسخۂ رضا لائبریری رامپور (جو ترتیب کے لحاظ سے نسخہ نمبر ۶ ہے) کے بارے میں بکٹ کہانی کے "مقدمہ" میں دی گئی تفصیلات کو پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب سے منسوب کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نسخہ نمبر ۶ (نسخۂ رامپور) کے بارے میں جو تفصیلات درج ہیں وہ پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب کی تحریر کردہ نہیں ہیں۔ اس نسخے کے بارے میں ساری معلومات پروفیسر نور الحسن ہاشمی صاحب کی فراہم کردہ ہیں لہٰذا اس نسخے کے سرورق پر "کاپی" لکھا تھا یا نہیں اس کی ذمہ داری پروفیسر نور الحسن ہاشمی صاحب پر عاید ہوتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب نے صرف انھیں نسخوں کی تفصیلات تحریر کی ہیں۔ جو دکن میں دستیاب ہوئے ہیں۔ بکٹ کہانی کے وہ نسخے جو دکن میں دستیاب ہوئے ہیں تعداد میں چار ہیں۔ ان کی ترتیب و تفصیل یہ ہے۔

(۱) نسخہ نمبر ۷ (سالار جنگ میوزیم لائبریری)
(۲) نسخہ نمبر ۸ (" " " ")
(۳) نسخہ نمبر ۹ (ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد)
(۴) نسخہ نمبر ۱۰ (اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد (کتب خانہ آصفیہ)

بکٹ کہانی کے جن نسخوں کی تفصیلات پروفیسر نور الحسن ہاشمی صاحب کی تحریر کردہ ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ انھیں نسخوں میں نسخۂ رامپور (نسخہ نمبر ۶) بھی شامل ہے۔

(۱) نسخہ نمبر ۱ (انڈیا آفس لائبریری)
(۲) نسخہ نمبر ۲ (" ")
(۳) نسخہ نمبر ۳ (" ")
(۴) نسخہ نمبر ۴ (پٹنہ یونیورسٹی)
(۵) نسخہ نمبر ۵ (مملوکہ قاضی عبدالودود صاحب)
(۶) نسخہ نمبر ۶ (رضا لائبریری رامپور)

لہٰذا ڈاکٹر انصار اللہ کا نسخۂ رامپور کی تفصیلات کو پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب سے منسوب کرنا اور یہ فرمانا کہ انھوں نے نسخۂ رامپور کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہیں "بکٹ کہانی از محمد افضل کا پی" صحیح نہیں۔ "کاپی" کو بنیاد بنا کر دی بات "غازی کا پور" تک پہنچائی گئی تھی اس کا انجام کیا ہوا؟ اس سے وہ لوگ اچھی طرح واقف ہوں گے جنھیں اس موضوع سے دلچسپی ہے۔

علی گڑھ — مرزا خلیل احمد بیگ

ڈاک کے ذریعہ خط کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام چند خطوط

(۱)

ہفتہ وار نشین میں آپ کا شائع کردہ اعلان دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور میں آپ کا بہت بہت شکرگزار ہوں لیکن آپ نے جو ہندی کے ذریعے اردو کی مفت تعلیم لکھی ہے اس کے متعلق میں اور تھوڑا تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ مجھے نصاب تعلیم اور داخلہ فارم روانہ کریں۔

کولار میسور اسٹیٹ — محمد نفیس احمد

(۲)

میں نے آپ کے ادارے کی چھپی ہوئی کتاب "ہندی دوارا اردو" کو بہت ہی روچک پایا۔ اس کے دوارا میں کچھ حد تک اردو سیکھنے میں سپھل ہوا ہوں میں نے اب تک اس کتاب کے تیس پاٹھ پڑھ لئے ہیں پرنتو خط لکھنے میں دیر ہو گئی۔ اس کے لئے آپ سے معافی چاہتا ہوں اگلے خط میں آپ کو اپنے لیکھ کا نمونہ بھیجوں گا۔ مجھے اردو بھاشا بہت ہی اچھی لگی۔ اس کورس کے لئے میں آپ کا آبھاری ہوں۔

دہلی — ستیندر پال سنگھ

اقبال ردولوی

غزل

گلشن میں آج باد صبا کہہ کے کیا گئی
تا دیر ایک ایک کلی کانپتی رہی

شاید زباں سے حرف صداقت نکل گیا
دنیا گریز پا ہے مجھے گھور تی ہوئی

ڈس لے کہیں نہ اس کو یہ گلیوں کی روشنی
ڈر ڈر کے اب اترتی ہے گردوں سے چاندنی

ہنگامہ ہائے دہر نے یوں فرد کھو گئی
دشوار آج خود سے ملاقات ہو گئی

کل رات ایک شخص یہاں قتل ہو گیا
کہتا پھرے ہے شہر میں قاتل گلی گلی

ہر دوست اپنے اپنے خیالوں میں کھو گیا
جب چھڑ گئی ہے بات نگاران شہر کی

شاید کہ دشمنوں کو ضرورت کبھی پڑے
ہم اس لئے بچائے ہیں تھوڑی خلوص کی

یہ نام سی خلش میں بھی کچھ تو آتی ہے
اقبال جب کبھی کوئی تازہ غزل ہوئی

انجمن کی خبریں

دہلی میں اردو کے ساتھ بے انصافی کے ازالے کا مطالبہ

ایوان غالب میں انجمن ترقی اردو دہلی کی جانب سے ممبران پارلیمنٹ دہلی اور چیف ایگزیکٹیو کونسلر، کونسل کے چیرمین نیز اراکین کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب ہوئی۔ اس میں اراکین مجلس عاملہ کے علاوہ دانشوروں اور دیگر ہمدردان اردو نے شرکت فرمائی۔

جنرل سکریٹری نے چیف ایگزیکٹیو کونسلر شری رادھا رمن، چیرمین جناب میر مشتاق احمد کو اس بے انصافی کی طرف توجہ دلائی جو اردو کے ساتھ ہوئی ہے نیز توقع ظاہر کی کہ اب اردو کے ساتھ سوتیلی بیٹی کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا اور اسے یہاں کی دوسری زبان کا درجہ دیا جائے گا۔ متعدد حاضرین نے محفل میں اس کی تائید کی۔ چیف ایگزیکٹیو کونسلر کو اردو میڈیم اسکولوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی اور سلیمان صابر نمائندہ الجمعیۃ نے کہا کہ یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ دہلی حکومت کی جانب سے اردو نصاب کی کتابیں گزشتہ برسوں میں چھاپی نہیں گئیں نیز اردو اسکولوں میں ہندی والوں کو رکھ کے اردو کے استادوں کی حق تلفی کی گئی ہے، اس طرح جن سنگھی حکومت نے اردو کے ساتھ دشمنی کا کھلا ثبوت دیا۔

رمن جی نے فرمایا کہ اردو کی ترقی اور ترویج کے سلسلے میں اور دلی میں اس کی پوزیشن کے لئے آپ لوگ ٹھوس تجاویز پیش کریں، ہم اس پر ہمدردی سے توجہ دیں گے۔

میر صاحب نے فرمایا کہ ہم نے وہ تمام فائل نکلوائے میں جس میں وزارت داخلہ نے اردو کے معاملے میں ہدایات دی ہیں نیز انجمن ترقی اردو سے خط و کتابت جو اس سلسلے میں ہوتی رہی ہے وہ فائل بھی نکال لی گئی ہے اس سلسلے میں میں ایک میٹنگ بلا چکا ہوں، اب آپ کی مجلس عاملہ جو تجاویز اپنی میٹنگ میں غور کرنے کے بعد ہمیں بھیجے گی اس پر جو کچھ ہم کر سکیں گے اس پر دوبارہ میٹنگ میں گفتگو ہوگی۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے تجویز پیش کی کہ اردو میڈیم ٹیچرس ٹریننگ اسکول کھول دیا جائے تاکہ اردو ٹیچروں کو مشکل نہ ہو۔

میر صاحب نے فرمایا، ہاں یہ بہت اچھی تجویز ہے، اس میں دلی حکومت سے جتنی مدد آپ چاہیں گے ملے گی۔ • نامہ نگار

معتمد انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا بیان

اخبارات نے حال ہی میں یہ اطلاع شائع کی ہے کہ حکومت آندھرا پردیش نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ ضلع پریشدوں کے تمام دفاتر میں ہر قسم کی مراسلت کے لئے نیز اجلاس کی روئداد میں لکھنے کے لئے صرف تلگو کا استعمال کیا جائے۔

اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا باعث دلچسپی ہوگا کہ دسمبر ۱۹۶۱ء میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے منعقدہ کل آندھرا پردیش اردو کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے اس وقت کے چیف منسٹر جناب ڈی۔ سنجیویا نے اور بہت سی باتوں کے علاوہ حسب ذیل اعلان بھی کیا تھا۔

"تلنگانہ کے تمام اضلاع اور ان کے علاوہ کرنول اور کڑپا کے تینوں ضلعوں میں ضلع پریشدوں کی روئدادیں تلگو کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی لکھی جائیں گی۔ اسی قسم کی سہولتیں پنچایت سمیتیوں میں بھی دی جائیں گی اگر وہاں اردو جاننے والوں کی کم از کم دس فیصد آبادی ہو۔ یہی صورت ان بلدیات میں بھی برقرار رہے گی جہاں اردو جاننے والوں کی کم از کم دس فیصدی آبادی ہو۔"

اس اعلان کا مقابلہ اگر اس حکم سے کیا جائے جو اب حکومت نے جاری کیا ہے تو اس "ترقی" کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اردو کو ریاست آندھرا پردیش میں حاصل ہو رہی ہے۔

• سری نیواس لاہوٹی

انجمن کا اردو میں خبرنامے بھیجنے کا مطالبہ منظور

بھوپال، ایم پی انجمن ترقی اردو نے لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی آمد پر جو میمورنڈم دیا تھا اس میں دیگر مطالبات کے ساتھ یہ مانگ بھی کی گئی تھی کہ مدھیہ پردیش سرکار کا محکمہ اطلاعات و پبلسٹی اردو اخبارات کو اشتہارات دے اور انھیں نیوز بلیٹن اور اشاعت کے لئے دیے جانے والا دوسرا مواد بھی اردو رسم الخط میں بھیجے۔

اس ذیل میں انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کو لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی طرف سے مطلع کیا گیا ہے کہ صوبائی سرکار نے یہ مطالبہ تسلیم کر لیا ہے اور اب محکمہ پبلسٹی اینڈ انفارمیشن میں یہ بندوبست کر دیا گیا ہے کہ اردو اخباروں کو خبرنامے، اشتہارات اور دوسرا اشاعت کے لئے دیا جانے والا مواد اردو رسم الخط میں فراہم کئے جانے کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ انجمن کے علاوہ شہر کے دوسرے ادبی ادارے اخبارات اور اردو دوست کافی مدت سے صوبائی سرکار سے یہ مطالبہ کر رہے تھے۔ اب ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا ہے اور اخبارات سے معلومات پر پتہ چلا کہ صوبائی محکمہ اطلاعات نے انھیں اردو رسم الخط میں مواد فراہم کرنا شروع کر دیا ہے۔

• نامہ نگار

اخبار و اذکار

اردو مشاورتی کمیٹی کا قیام

لکھنؤ۔ وزیر تعلیم ڈاکٹر رام جی لال سہائک نے ریاستی اسمبلی میں اعلان کیا کہ ایک مشاورتی کمیٹی قائم کی جارہی ہے جو اردو کی تعلیم کے بارے میں حکومت کو مشورہ دیا کرے گی۔

جناب سہائک نے جو محکمۂ تعلیم کے مطالبات زیر بحث پیش کر رہے تھے کہا کہ اردو کی ترقی کے لئے اردو اکیڈمی قائم کی گئی ہے ایک ڈپٹی ڈائرکٹر اردو کی تقرری عمل میں آئی ہے اور اردو پڑھانے کے لئے گذشتہ تین برسوں میں ۱۰۰۷۷ اساتذہ رکھے گئے ہیں۔

اس موقع پر سوشلسٹ پارٹی کے جناب رام پال سنگھ نے کہا کہ اردو کی ترقی کی بہت باتیں کی جاتی ہیں مگر اردو کے لئے گزشتہ سال پانچ لاکھ روپیہ رکھا گیا تھا جب کہ اس سال صرف ساڑھے تین لاکھ روپیہ رکھا گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کیوں کم کردیا گیا۔ انھوں نے پوچھا آخر آپ اردو کو اتر پردیش کی دوسری زبان کا درجہ کیوں نہیں دیتے؟ انھوں نے کہا کہ اردو ریاست کی دوسری زبان ہونا چاہئے ہر اسکول میں اردو پڑھائی جانی چاہئے۔ ہائی اسکول تک اردو اور ہندی کی مشترک تعلیم ہونی چاہئے اور جتنی بھی رقم کی ضرورت ہو، خرچ کی جانی چاہئے۔ ٭قومی آواز، لکھنؤ

اردو کے لئے تحفظات کا مطالبہ

اردو محافظ دستے کی طرف سے بیگم حامدہ حبیب اللہ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی گئی ہے جس میں اردو کو قانونی تحفظ دینے کے لئے مندرجہ ذیل مطالبات بھی پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) تمام پرائمری، جونیر اور ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم و تدریس کا انتظام لازمی طور پر کیا جائے۔

(۲) فوری طور پر ایک ٹریننگ کالج قائم کیا جائے جس میں اساتذہ کو اردو کے پڑھانے کی تربیت دی جائے اور ایسے انتظام کے معرض وجود میں آنے سے پہلے اردو ٹیچروں کے تقرر میں ٹرینڈ ہونے کی شرط واپس لی جائے۔

(۳) اردو میڈیم اسکولوں میں ٹیکسٹ بک کمیٹی کی منظور شدہ اردو کتابیں شائع کرنے کا فوری انتظام کیا جائے۔

(۴) اردو اسکولوں کو قومیانے کی اسکیم سے مستثنیٰ کیا جائے۔

(۵) ہر دفتر اور عدالت میں اردو درخواستیں، دستاویزات قبول کرنے کے احکامات پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ اور احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے افسروں کے خلاف کارروائی کی جائے۔

(۶) ہر دفتر میں اردو جاننے والے افسر لازمی طور پر رکھے جائیں۔

(۷) ہر سرکاری دفتر، عدالت اور عدالتوں کے سائن بورڈ اور افسروں کے ناموں کی تختیاں اردو میں بھی نصب کی جائیں۔

(۸) بسوں پر آمدورفت کے مقامات کے نام اردو میں بھی لکھے جائیں، سرکاری موٹر گاڑیوں پر اور خصوصاً پولیس و لوکل باڈیز کی موٹر گاڑیوں پر محکموں کے نام اردو میں بھی لکھے جائیں۔

(۹) ووٹر لسٹیں تمام اضلاع میں اردو میں بھی تیار کی جائیں اور تمام ضروری الکشن لٹریچر اردو میں بھی شائع کیا جائے۔

(۱۰) عدالتوں، دفتروں اور خصوصاً دفتر سب رجسٹرار کے کارکنوں کو یہ واضح ہدایت دی جائے کہ وہ دستاویزات یا درخواستوں کی ہندی نقلیں نہ تیار کریں۔

(۱۱) پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں اردو کا ایک لازمی پرچہ رکھا جائے۔

(۱۲) اطلاعات کوالی فیکیشن اور جملہ لٹریچر نیز گزٹ اردو میں بھی شائع کیا جانا چاہئے۔

(۱۳) اردو اخبارات کو ان کے سیاسی رجحانات کے لحاظ کے بغیر اشتہارات دئے جائیں۔ ٭سیاست جدید کانپور

انگریزی کو بے دخل نہیں کیا جاسکتا

لکھنؤ۔ یوپی کے وزیر اعلیٰ جناب کملاپتی ترپاٹھی نے کل اسمبلی میں سوالات کے وقفے کے دوران میں بتایا کہ یونین پبلک سروس کمیشن

فوج اور بعض دیگر شعبوں میں انگریزی کا استعمال ایک معاون زبان کی حیثیت سے برقرار رہے گا اور ریاست سے مکمل طور پر انگریزی کو ہٹانا ممکن نہیں ہے انھوں نے کہا کہ ان حالات میں اس طرح کا فیصلہ یو.پی کے عوام کے لئے سودمند نہیں ہوگا۔

• سیاست جدید کانپور

اردو کو دلّی میں دوسری زبان بنانے کا مطالبہ

دلّی میٹرو پولیٹین کونسل میں جب لیفٹننٹ کے ایڈریس پر بحث پھر شروع ہوئی تو کمیونسٹ پارٹی کے جناب جوشی نے مطالبہ کیا کہ اردو اور پنجابی کو دلّی میں دوسری زبان کا درجہ دیا جائے اردو کے سلسلہ میں اب تک صرف زبانی جمع خرچ کیا جاتا رہا ہے۔

• الجمعیۃ، دہلی

ریاست میں اردو کا سابق موقف برقرار

حیدرآباد:۔ جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کو انٹرویو دیتے ہوئے ریاستی چیف منسٹر جناب پی.وی نرسمہا راؤ نے پھر ایک بار اس بات کا تیقن دیا کہ ریاست میں اردو کا وہی موقف برقرار رہے گا جو اسے شروع سے اب تک حاصل ہے یہ ریاست کے بعض منتخب رقبوں میں سرکاری اغراض میں استعمال کی جارہی ہے اور کی جاتی رہے گی اس کے اغراض اور رقبے دونوں کا تعین کر دیا گیا ہے آندھرا پردیش میں یہ ایک سلسلہ ذریعہ تعلیم ہے اس طرح قانون کی رو سے ریاست میں صرف ایک ہی سرکاری زبان ہے لیکن اردو وال رقبوں میں جہاں یہ بولی جاتی ہے سرکاری اغراض میں معینہ سرکاری اغراض کے لئے استعمال کی جارہی ہے ان سے پوچھا گیا تھا کہ کیا آپ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانا پسند کریں گے؟ انھوں نے کہا آپ دیکھیں گے کہ کسی بھی زبان کی صورت میں صرف یہی کیا جا سکتا ہے پھر بھی ان تمام رقبوں میں جہاں اردو بولی جاتی ہے اردو سرکاری اغراض میں استعمال کی جارہی ہے مثلاً شہر حیدرآباد میں اگر کوئی شخص اردو میں درخواست پیش کرنا چاہے تو وہ رد نہیں کی جاسکتی اسے لینا پڑے گا اسی طرح سرکاری اغراض میں ان تمام رقبوں میں جہاں عوام کی بڑی تعداد اردو بولتی ہو ہم اردو کا استعمال کر رہے ہیں چاہے تعلقہ کا مستقر ہو یا ضلع کے مستقر پر یا شہر کے، یہ عمل کیا جارہا ہے۔

• رہنمائے دکن

اردو کے لئے موثر جدوجہد کی ضرورت

حیدرآباد:۔ اردو ہال حمایت نگر میں اردو آرٹس (ایوننگ) کالج اسٹوڈنٹس یونین کا سالانہ جلسہ رائے منوہر پرشاد سکسینہ کی صدارت میں ہوا انھوں نے کہا کہ دستور ہند میں اردو کے تعلق سے جو تیقنات دئے گئے ہیں ان کی عمل آوری کے لئے موثر جدوجہد ہمارا فرض ہے جناب سکسینہ نے کہا کہ ریاستی حکومت اردو کو صرف ایک علاقائی زبان کا درجہ دینے پر آمادگی کا اظہار کرتی ہے اور دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے تعلق سے بالکل خاموش ہے۔ جناب سکسینہ نے کہا کہ صرف اردو کالجوں کا قیام اردو کے لئے جلسوں کا انعقاد کافی نہیں۔ اردو کے تحفظ کے لئے ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔

جناب سید لطیف الدین نے اردو کی تحریک میں ترقی پسند قوتوں سے شرکت کی اپیل کی پرنسپل اردو آرٹس کالج ڈاکٹر حسینی شاہد نے خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ عثمانیہ یونیورسٹی نے اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر سارے ہندوستان میں ایک نیا تجربہ کیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ اردو آرٹس کالج میں آئندہ تعلیمی سال سے اردو میں کامرس کی تعلیم کا آغاز ہوگا۔

• سیاست حیدرآباد

جدید ادیبوں کی کل ہند کانفرنس

حیدرآباد:۔ جدید طرز فکر رکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کی پہلی کل ہند کانفرنس "جشن پیکر" کے زیر اہتمام نگانذھی بھون میں منعقد ہوئی جناب سید رحمت علی ایم ایل اے نے جدید ادیبوں اور شاعروں کو مشورہ دیا کہ وہ مخدوم کا نغم البدل پیدا کریں مگر کشن چندر اور بیدی کی جگہ ہیں جو بہت تھک گئے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ قلمکار تمام محنت کش اور ناآسودہ طبقات کے اتحاد کے لئے اپنے قلم کو حرکت میں لائیں اردو زبان بڑے مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ اس کے حقوق کے تحفظ کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہوجائیں۔ انھوں نے توقع ظاہر کی کہ جدید ادیبوں کا یہ اجتماع لب ولہجہ اور فارم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشی مسائل کا بھی جائزہ لے گا اور قلمکاروں کے دائرہ عمل اور ان کے رول کا تعین کرے گا۔

• سیاست حیدرآباد

اردو کی فنی مشکلات پر مباحثہ

حیدرآباد:۔ جناب سید لطیف الدین منیجنگ ایڈیٹر رہنمائے دکن نے جدید ادیبوں کی کل ہند کانفرنس کے ٹکنیکل سیشن کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سیشن خالص فنی نوعیت کا ہے اور اس میں جتنے بھی مقالے پڑھے گئے اس میں اردو کی طباعت کے سلسلے میں بعض بنیادی باتیں سامنے آئی ہیں اس اعتبار سے اردو زبان کو فنی لحاظ سے ترقی کرنے کے کافی مواقع ہیں۔ حیدرآباد قابل مبارکباد ہے کہ یہاں کے لوگ اردو کی طباعت میں فنی دشواریوں کو محسوس کرتے ہوئے نئی راہیں پیدا کرنے کی جستجو میں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کی طباعت کے جدید طریقوں کو اپنانے میں کامیابی ہو جائے تو یہ اردو کو ہندیانے کی کوششوں پر ایک کاری ضرب ہوگی۔

جناب ایم ۔ باگا ریڈی ایم ایل اے نے اپنی تقریر میں کہا کہ مرکزی حکومت کی فراخدلانہ سرپرستی کے باوجود ریاستی حکومتوں اور اردو کے اداروں کی جانب سے اسے ویسی سرپرستی حاصل نہیں ہے جیسے کہ ہونی چاہیے۔

جناب شان بھارتی نے اپنے مقالہ میں کہا کہ ملک میں ہندی کے بعد اردو ہی واحد زبان ہے جس میں زیادہ رسائل اور جرائد شائع ہوتے ہیں ہندی رسائل بہ نسبت اردو رسائل کے بہت سستے ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندی میں طباعت کے لئے زیادہ سہولتیں حاصل ہیں۔ جناب عبدالرحیم آزاد نے کہا کہ اردو کی فنی مشکلات پر قابو پانے کے لئے ماہرین زبان رسم الخط کے بارے میں غور کریں تو اس مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔ • رہنمائے دکن

قدیر امتیاز کے ناول "رعنا" کی رسم اجراء

حیدرآباد:۔ جواں سال ناول نگار جناب قدیر امتیاز صدر شعبۂ اردو سینٹ جوزفس کالج (بنگلور) کے تازہ ناول "رعنا" کی رسم اجراء اردو ہال میں محترمہ زینت ساجدہ نے انجام دی۔ اس موقع پر سرس ریج نارائن، حبیب قادر، احمد جلیس، عاتق شاہ اور طیب انصاری نے مضامین پڑھے۔

• طیب انصاری

شبنم گرودر صاحبہ کے اعزاز میں ادبی نشست

نئی دہلی:۔ ادبی سنگم" جامعہ نگر کی جانب سے اردو کی مشہور شاعرہ محترمہ شبنم گرودر صاحبہ کے اعزاز میں ایک ادبی نشست جناب مالک رام کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ "ادبی سنگم" کے سکریٹری سید نظر برنی نے ان کو سپاسنامہ پیش کیا اور ان کی ادبی خدمات کو سراہا۔

جناب مالک رام صاحب نے بھی شبنم صاحبہ کے ذوق شعری کی تعریف کی اور کہا کہ شبنم صاحبہ کا مجموعہ کلام "شبنم کے موتی" جو اس وقت دیوناگری میں شائع ہوا ہے اگر اردو رسم الخط میں شائع ہو جائے تو بہتر ہوگا۔

اس موقع پر ایک محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوئی جس میں شبنم گرودر صاحبہ کے علاوہ بہت سے ممتاز شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ آخر میں جناب کرنل بشیر حسین زیدی صاحب نے مہمانوں اور شعرا کا شکریہ ادا کیا۔ • نظر برنی، سکریٹری

کشمیر یونیورسٹی میں ادبی نشست

سری نگر:۔ شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی کے زیر اہتمام بزم ادب کا پہلا جلسہ زیر صدارت ڈاکٹر محمد حسن پروفیسر صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی منعقد ہوا۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنی تقریر میں بزم ادب کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اس کے بعد ایم اے سال اول کی طالب علم نگہت شہیری نے "جہاں میں رہتی ہوں" کے عنوان سے ایک مختصر مقالہ پڑھا۔

ڈاکٹر شکیل الرحمان ریڈر شعبۂ اردو نے مہمان خصوصی جناب قیصر قلندر کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ قیصر صاحب کی شاعری میں کشمیر کا حسن و جمال جھلکتا ہے وہ الفاظ کے ذریعے تصویر کشی کرتے ہیں۔ جناب قیصر قلندر نے اس موقع پر اپنی نظم "گل ریز" اور کئی غیر مطبوعہ غزلیں سنا کر سامعین کو محظوظ کیا۔ • سکریٹری

کشمیر یونیورسٹی میں جلسہ تعزیت

سری نگر:۔ شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ کا ایک جلسہ تعزیت زیر صدارت پروفیسر محمد حسن صدر شعبۂ اردو ہوا جس میں جناب غلام محمد صادق سابقہ وزیر اعلیٰ ریاست جموں و کشمیر اور اردو کے مشہور شعراء اور ادبا جناب ناصر کاظمی جناب یوسف ظفر اور جناب حامد اللہ انصاری غازی کے انتقال پر ملال پر تعزیت کی قرار دادیں منظور کی گئیں اور مرحومین کی علمی و ادبی خدمات کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ • سکریٹری شعبۂ اردو۔ کشمیر یونیورسٹی سری نگر

صفحہ ۱۲ سے آگے

(۴) اسم مونث: کشمیر کی زبان

(یہ لوگ عقل، دغا فریب اور بے وفائی وغیرہ اکثر ایسے اوصاف میں مشہور ہیں۔ چنانچہ مؤلفہ کو بھی سنہ ۱۹۶۰ء میں ایک کشمیری پنڈت نے زر ہزار کا نقصان پہنچایا جس سے فرہنگ آصفیہ کی اشاعت میں بہت دیر اور جلد سوم کی صحت میں ابتری ہوئی....)

(جلد سوم)

کیا کہیئے!

پروفیسر مسعود حسین خاں

میرا صفحہ

اردو لغت نویسی

اردو میں لغت نویسی کی مسلسل روایت اور کم از کم تین جامع لغات کی موجودگی کے باوجود کوئی ایسا لغت دستیاب نہیں جو سائنٹفک انداز میں لکھا گیا ہو۔ اس کا کوئی لغت نگار یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ لغت نویسی کے اصولوں اور ضروریات سے کما حقہٗ واقف ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ ہوں کہ صاحب نور اللغات، ہر ایک کا "زبان اور اس کے معیار" کا تصور، بہت محدود ہے۔ ہمارے سارے لغت نویس سند کے لئے شعر کی جانب رجوع کرتے ہیں جو بذات خود ایک نہایت غیر علمی اور خطرناک طریق کار ہے۔ فرہنگ شعر ہمیشہ محدود (اور اکثر اوقات متروک) ہوتا ہے۔ کسی زندہ زبان کے الفاظ اور محاورات کا صرف شعر سے اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے تمام لغات، لغات شعری بن کر رہ گئے ہیں!

اردو کا لغت نویس، اکثر و بیشتر "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" پر عمل پیرا نظر آتا ہے۔ اگر اس کا تعلق دلی سے ہے تو وہ ہر ایسے بازگشتو لفظ کو اپنے لغت میں جگہ دینے کی کوشش کرتا ہے جو دلی میں رواں ہے چاہے اس کا چلن دلی کے باہر بالکل نہ ہو۔ اگر اس کا تعلق حضرت لکھنؤ سے ہے تو وہ الفاظ کی سند چند محلوں بلکہ چند خاندانوں کے ادیبوں اور شاعروں تک محدود کر دے گا۔ دبستان دلی سے تعلق رکھنے والا نقاد نظیر اکبر آبادی کے وسیع ذخیرۂ الفاظ کو "شاعر سوقی" کا استعمال قرار دے کر لائق اعتنا نہیں سمجھے گا۔ دبستان لکھنؤ کا اہل زبان سرشار تک کی زبان پر ناک بھوں چڑھائے گا اور لکھنوی محاورے کے معیار پر اس میں بھی نقص نکالنے کی فکر میں رہے گا۔ ایسی صورت میں "زبان دکنی" کے فرہنگ و محاورات کو "لچر" کیوں کر نہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ہمارے کسی لغت نویس نے دکنی اردو کے وسیع ذخیرے سے اپنے لغت کے لئے الفاظ منتخب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس اعتبار سے اردو لغات سے کہیں بہتر یورپین مصنفین ڈنکن فاربس اور پلیٹس کے لغات ہیں جن سے اردو کی قدامت کا پتہ تو چلتا ہے!

میں ان یورپین مصنفین کے لغات کو ایک اور اعتبار سے بھی نسبتاً زیادہ اہم خیال کرتا ہوں۔ ہمارا کوئی لغت نویس ہمارے ہند آریائی الفاظ کے مادوں کا علم نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کا عام استاد اور طالب علم اپنی زبان کے الفاظ کی تاریخ سے قطعاً ناواقف ہوتا ہے۔ ان میں سے وہ لوگ جنھوں نے عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی ہے، عربی فارسی الفاظ کے مادوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں لیکن اردو کے عام بول چال کے الفاظ کی تاریخ کے بارے میں ان کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ اردو کے عالموں اور طالب علموں کے یہاں تاریخی لسانیات کے اس احساس کی کمی کی وجہ سے انھیں اپنی زبان کی ہیئت و نوعیت سمجھنے میں اکثر اوقات دشواری ہوتی ہے اور اسی بنا پر ہمارے علماء تک اردو کی ابتدا کے لئے کبھی عربوں کے داخلۂ سندھ کی تاریخیں ڈھونڈھتے ہیں اور کبھی محمود غزنوی کی فتح پنجاب سے اس کا آغاز کرتے ہیں۔ ہمارے عالموں کے یہ جہلات (جو تا حال جاری ہیں) اس وقت تک ختم نہ ہوں گے جب تک ان کے سامنے اردو زبان کے ہند آریائی وجود کا واضح تصور اور تاریخ ان کے لغت نویسوں کے ذریعے سامنے نہیں آ جائے۔

اردو کے نئے لغت میں وہ سب کچھ ہونا چاہئے جس کی سائنٹفک لغت نویسی متقاضی ہے۔ سب سے پہلے اس میں ان تمام الفاظ کی شمولیت ضروری ہے جو دکنی اردو کے وافر اور بسیط ذخیرۂ ادب میں پائے جاتے ہیں۔ تذکیر و تانیث، اسم، فعل اور صفت کی تقسیم کے ساتھ ساتھ الفاظ کے مادوں اور ممکن ہو سکے تو ان کے عہد بعہد ارتقا کی تفصیلات بھی شامل ہونی چاہئیں۔ اعراب یا تقسیم رکن ہجی کے ذریعے صحت تلفظ کے اہتمام کی بھی ضرورت ہے، خاص طور پر اس لئے کہ اردو کی ہمزاد ہندی کی زد سب سے زیادہ اسی پر پڑ رہی ہے۔ عمومی طور پر جدید لغت نویسی کو دلی یا لکھنؤ کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ علی گڑھ تحریک نے، عرصہ ہوا، اردو کی ان شہری فصیلوں کو مسمار کر دیا ہے۔ اردو اب ایک وسیع اور بسیط حقیقت ہے، اسے نہ تو چند شاعروں کے فرمائے ہوئے تک محدود رکھا جا سکتا ہے اور نہ چند شہروں کی منہدم شدہ فصیلوں تک محصور!

لغت نویسی کی سب سے اہم شرط علمی معروضیت اور سنجیدگی ہے۔ اردو کا جدید لغت نویس وہ سب کچھ نہیں کر سکتا جس کی آزادی صاحب فرہنگ آصفیہ نے اپنے لئے حاصل کر لی تھی۔ لفظ "کشمیری" کے معنی لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

کشمیری (ف) صفت (۱) کشمیر سے منسوب جیسے کشمیری کلام کشمیری شال وغیرہ (۲) اسم مذکر۔ باشندۂ کشمیر جیسے کشمیری لاہے پیری جس میں لذت نہ شیری (۳) اسم مذکر: ناچنے والا لڑکا۔ نچنیا

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) سے شائع کیا